پروفیسر ڈاکٹر عرفان اللہ خٹک
چیئرمین شعبۂ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بنوں (خیبر پختونخوا)
ڈاکٹر تحسین بی بی
صدر شعبہ اردو، یونی ورسٹی آف صوابی

احمد عقیل روبی کی خاکہ نگاری

ABSTRACT
Sketch is a copy of characteristics (of a certain person) which is similar to the real, a pen picture of a personality, lay out of a building, intellectual background of a writing, a short narrative of a factual happening, brief description of a personal recount, a biographical portrait, introductory setting, a short drama/play, etc.
A biographical sketch includes merits and demerits of a personality along with brief description of a certain personality. In the sketch, the individual's self as well as his relationship with the society and the outer environment is discussed as a special topic. A sketch is written to delineate the salient characteristics of a personality rather than giving only a biographical account. A literary sketch takes into account both strengths and weaknesses of a personality. However, it ensure that the statute and sanctity of the personality remain intact while portraying the shortcomings of a character as the aim is not to downgrade the image of that personality.
Mirza Farhatullah Baig's sketch "Deputy Nazir Ahmad Ki Kahani Kuch Meri Kuch An Ki Zani" to Ismat Chaghatai's 'Dozakhi' and similarly in Saadat Hasan Manto, the author's personality along with the appropriateness of the subject is clearly visible. It is also a fact that every sketch carries with it the texture and structure of its subject. If the sketch is of a person who belongs to the film industry; references, terms, events and other related matters of the film industry will also be discussed while writing about him. Ahmed Aqeel Rubi is an important personality of our times. He has served in the education department. But his friends included scholars and writers from every field of life. However, he mostly composed

sketches of literary and political figures. The names of the books that have been examined in the paper are:
1. Khare Khote 2. Mufti of Alipore
The number of personalities included in these books is 32.
Short prose narrative, often an entertaining account of some aspect of a culture written by someone within that culture for readers outside of it—for example, anecdotes of a traveler in India published in an English magazine. Informal in style, the sketch is less dramatic but more analytic and descriptive than the tale and the short story. A writer of a sketch maintains a chatty and familiar tone, understating his major points and suggesting, rather than stating, conclusions.
Key Word: biographical, personality, Ahmed Aqeel Rubi

احمد عقیل رُوبی 6 اکتوبر 1940ء کو لدھیانہ کے شہر سنگرور میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام غلام حسین سوز تھا۔ پاکستان بننے سے ایک ہفتہ پہلے والد کا انتقال ہو گیا۔ تاہم اُن کی والدہ اپنے والد کے خاندان کو بھارت میں چھوڑ کر نئے وطن کی محبت میں غلام حسین سوز کے ساتھ پاکستان ہجرت کر آئیں۔ پاکستان پہنچنے کے بعد انھیں سخت مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ہمت نہ ہاری بلکہ جہاں پاؤں تھکے ہمت کے بل بوتے پر سر کے بل چلنے لگی۔ اور غلام حسین سوز کے آگے کتابوں کا ڈھیر لگا دیا اور اپنی ساری طاقت غلام حسین سوز کی ہڈیوں میں ڈال دی۔ احمد عقیل روبی نے خانیوال سے ہی تعلیمی سلسلہ شروع کیا۔ اُن کی والدہ نے بہت شوق اور دلجمعی کے ساتھ انہیں تعلیم دلائی۔ اس کے لیے ساری زندگی کسی کا احسان نہ لیا۔ ہمت، بہادری اور جوانمردی سے ہر قسم کے حالات کا حق مقابلہ کیا۔ غلام حسین سوز کی تعلیم کے لیے مشین چلائی۔ کپڑے سیئے اپنے مضبوط ہاتھوں سے پتھروں کو ریزہ ریزہ کیا۔ زیورات بیچ بیچ کر غلام حسین کے راستوں کی رُکاوٹوں کو ختم کیا۔ غلام حسین سوز جب آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا تو سکول ماسٹر نے کہا جو بچے یتیم ہیں۔ وہ فیس معافی کے لیے کل درخواست لکھ کر دے دیں۔ وہ گھر میں بیٹھ کر درخواست لکھ رہا تھا۔ اس بات کا جب والدہ کو پتہ چلا بہت خفا ہوئیں۔ اور درخواست اُن کے ہاتھ سے لے کر پھاڑ دی۔ اور کہا تیرا باپ مرا نہیں ہے۔ زندہ ہے واقعی ساری زندگی والدہ نے اُسے باپ بن کر پالا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد شعبہ درس وتدریس سے وابستہ ہو گئے۔ درس وتدریس کا آغاز مظفر گڑھ سے بطور لیکچرر کیا۔ کچھ عرصہ بہاولپور کالج میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر وہاں سے اُن کا تبادلہ شیخوپورہ ہو گیا۔ جہاں وہ 13 برس تک پڑھاتے رہے۔ شیخوپورہ کالج سے ان کا تبادلہ ایف سی کالج لاہور ہو گیا۔ وہ ایف سی کالج لاہور کے شعبہ اُردو کے سربراہ کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ صدرِ

شعبہ بننے کے بعد ان کی ذہنی صحت پر کوئی اثر نہ پڑا۔ پہلے کی طرح سب سے چلتے سب سے تعلقات قائم کرتے۔ چاہیے وہ کالج کا جمعدار ہی کیوں نہ ہو۔ کالج کینٹین ویٹر ہو نا ہو یا لائبریری کا چپڑاسی سلیم ہی کیوں نہ ہو سب کے ساتھ دوستی کا تعلق تھا۔ صدر شعبہ ہونے کے باوجود وہ افسری کے گروں سے واقف نہ تھا دوستوں نے سمجھایا بھی کہ سب کے ساتھ فری نہ ہوا کرو۔ مگر انہوں نے کسی کی نہ سنی۔ نہ کبھی پروٹوکول کا خیال کیا نہ اُن سے فاصلہ رکھا۔ سب کے ساتھ عزت سے پیش آنا اُس کی فطرت میں شامل تھا۔ یہاں ہی سے 2000ء میں ریٹائر ہوئے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد انھوں نے خود کو پہلے سے بھی زیادہ مصروف کر لیا۔ اب ان کا اوڑھنا بچھونا ادب ہی تھا۔ آخری دم تک وہ ادبی زندگی میں مکمل طور پر فعال رہے۔ احمد عقیل رُوبی نے غزل، نظم، منظوم ڈرامے، خاکے، تراجم اور ناول نگاری جیسے مختلف میدانوں میں طبع آزمائی کر کے اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو تسلیم کروایا۔ احمد عقیل رُوبی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا۔ اور اپنا قلمی نام غلام حسین سوز استعمال کرتے رہے تھے۔ بعد ازں بالکل مختلف نام احمد عقیل رُوبی رکھ لیا۔ اور اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ آج بھی اُن کا اصل نام بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ ادب میں انہیں اپنے سینئر ناصر کاظمی، انتظار حسین اور سجاد باقر رضوی کی شفقت حاصل تھی۔ رُوبی صاحب کا کمال یہ تھا کہ وہ بہت محو ہو کر لکھتے تھے اور داستانی انداز میں اپنی بات کو حسین بنا دیتے تھے۔ اُن کا خمیر ادب اور فلسفے سے گوندھا گیا تھا۔ اُردو ادب کے ساتھ ساتھ عالمی ادب پر انہیں بہت عبور حاصل تھا۔ خاص کر یونانی ادب کے بہت دلدادہ تھے۔ احمد عقیل رُوبی یونانی اساطیر کا خصوصی طور پر مطالعہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی تحریروں میں یونان کے اساطیری حوالے ملتے ہیں۔ یونانی ڈرامہ نگاروں اور شاعروں کے تذکرے اُن کی انگلیوں کی پوروں پر تھے۔ ان کا حافظہ بہت مضبوط تھا۔ جس چیز کو ایک بار پڑھ لیتے وہ ذہن نشین ہو جاتی۔ کلاس ہو یا دوستوں کی محفل جہاں موقع ملتا طوطے کی طرح بولنا شروع کر دیتے۔ انہوں نے کچھ یونانی ڈراموں کے تراجم بھی کر رکھے تھے اور یونانی ادب پر تنقیدی کتاب تو خاصے کی چیز ہے۔ ان کی کتاب "یونان کا ادبی ورثہ" بہت مقبول ہوئی۔ اور اس کتاب کی وجہ سے یونان کے سفارت خانے نے رُوبی صاحب کی خاصی پذائرئی کی تھی۔ احمد عقیل رُوبی کا سب سے مقبول ناول "آدھی صدی کا خواب ہے" جو ان کے اپنے خاندان کی آپ بیتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تقسیم ہند کے وقت دل دہلا دینے والے واقعات پر مشتمل ایک منفرد اور تاریخی دستاویز ہے۔ اس کے علاوہ ان کے خاکوں کا ایک مجموعہ کھرے کھوٹے کے نام سے بے حد مقبول ہوا۔ جس میں انہوں نے نہ صرف اپنے زمانے کے معروف بلکہ غیر معروف لوگوں پر خاکے لکھ کر ان کو بھی اپنے زور قلم سے امر کر دیا۔ ادکار محمد علی ان کے بہت قریبی دوستوں میں شمار ہوتے تھے محمد علی کے علاوہ انہوں نے احمد راہی، عطاء الحق قاسمی، دلدار پرویز

بھٹی، طارق عزیز، اچھا شوکر والا، آغا طالش، سلطان راہی۔ فردوس جمال، احسان دانش، حسن رضوی، میر حسن، محسن نقوی، نصرت فتح علی خان سمیت بہت ساری شخصیات کی زندگی پر خاکہ نگاری کی۔ اس کے علاوہ ممتاز مفتی پر سوانحی خاکہ تحریر کیا۔ یہ سوانحی خاکہ اپنی مثال آپ ہے۔ احمد عقیل رُوبی نے اپنے اس خاکے میں ایک بڑے انسان کے اندر معصوم انسان ڈھونڈنے کی کوشش کی وہ اپنی اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔ بقول ابوالاعجاز حفیظ صدیقی:

"خاکہ اُس شخص کا لکھا جاسکتا ہے۔ جس سے خاکہ نگار ذاتی طور پر واقف ہو اور اُسے قریب سے دیکھا ہو۔" (1)

خاکہ نگاری میں احمد عقیل رُوبی کا نام کس تعارف کا محتاج نہیں انہوں نے ایسی شخصیات کے خاکے تحریر کیے ہیں۔ جن کو وہ قریب سے جانتے تھے۔ "کھرے کھوٹے" اُنہوں نے ادبی، سیاسی، سماجی اور دیگر فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والی شخصیات پر خاکے تحریر کیے ہیں۔ اس کتاب کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

"انسانی شخصیت پانی سے لبالب بھرا مٹی کا وہ پیالہ ہے جس میں قدرت نے خامیوں اور خوبیوں کے سیاہ و سفید تلوں کی پڑیاں انڈیل دی ہیں۔ میں نے سیاہ و سفید رنگوں سے بنی، ان تصویروں کے ارد گرد اپنی محبت کا حاشیہ لگا کر تصویریں آپ کے سامنے پیش کر دی ہیں۔ محبت کے یہ حاشیے اگر کہیں سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں تو یہ سمجھ کر معاف کر دیجیے گا کہ محبت اندھی ہوتی ہے چلتے چلتے قدم ڈگمگا گئے ہوں گے۔" (2)

اُردو ادب کی بے پناہ خدمات کے ساتھ ساتھ انہوں نے بطور نغمہ نگار کئی پاکستانی فلموں کے لیے گیت لکھے۔ جن میں "نکی جئی ہاں، مہندی ولاے ہتھ، جگ ماہی، لونگ داشکارہ، چوڑیاں اور مجاجن" کے نام اہم ہیں۔ ان کے لکھے ہوئے کئی گیت بہت مشہور ہوئے جس پر انہیں کئی ایوارڈ بھی ملے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کئی فلموں کے سکرپٹ بھی لکھے۔

14 اگست 2013ء کو حکومت پاکستان نے انہیں ان کی ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے تمغہ امتیاز سے بھی نوازا۔ کثرت سگریٹ نوشی سے انتقال سے ایک برس قبل احمد عقیل رُوبی پھیپھڑوں کے کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ آخر کار 23 نومبر 2014ء کو رحلت فرما گئے۔

خاکہ نگاری ایک حوالے سے سیرت اور سوانح سے نکلی ہوئی صنف معلوم ہوتی ہے۔ تو دوسری طرف ہم اسے سوانحی حالات وواقعات کا خلاصہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے اسلوب بیان اور رجحانات میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ کہیں الفاظ کے ہیر پھیر سے خاکہ نگار نے اپنے موضوع کی شخصیت اور کردار کی تصویر کشی کی۔ کہیں موضوع کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ اس میں اوپر بتائے گئے موضوعات کے علاوہ خاکہ نگار کا اپنا طرز اظہار بھی غیر محسوس طریقے سے جگہ پاتا نظر آتا ہے۔ بعض کے ہاں افسانوی رنگ نمایاں ہے۔ بعض کے ہاں رپورتاژ کی طرح موضوع کے بارے میں طویل خود کلامی نظر آتی ہے۔ بعض جگہ موضوع کے کام کے حوالوں سے تحقیقی و تنقیدی عناصر نمایاں ہو گئے ہیں۔ بعض کے ہاں خاکہ نگاری میں ایک ادبیانہ اسلوب نمایاں ہے۔ اردو میں خاکہ نگاروں کی دستیاب سینکڑوں کتابوں میں ایسے ہی ملے جلے اسالیب اور میلانات نمایاں ہیں۔ مگر یہ بات بالکل واضح ہے کہ خاکہ نگار کی اپنی ذات کا رنگ خاکے میں غالب اور واضح نظر آتا ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے خاکے "ڈپٹی نظر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی" سے لے کر عصمت چغتائی کے دوزخی اور اسی طرح سعادت حسن منٹو کے ہاں موضوع کی مناسبت کے ساتھ ساتھ لکھنے والے کی شخصیت کا اپنا رنگ واضح نظر آتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر خاکہ اپنے موضوع کا تار و پود اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ اگر موضوع کا تعلق شاعری سے ہے تو اس میں شاعری کے حوالہ جات غیر محسوس طور پر شامل ہو جائیں گے۔ اگر خاکے کا تعلق کسی ایسی شخصیت سے ہے۔ جس کی وجہ شہرت فلم انڈسٹری ہے۔ تو اس پہ لکھتے ہوئے فلمی صنعت کے حوالے، اصطلاحیں، واقعات اور دوسرے متعلقات بھی زیر بحث رہیں گے۔ احمد عقیل رُوبی ہمارے عہد کی اہم شخصیت ہے۔ ان کا تعلق درس وتدریس کے شعبہ سے رہا ہے۔ لیکن ان کے احباب میں ہر طرح کے اہل علم اور اہل قلم شخصیات شامل رہی ہیں۔ لیکن ان کی خاکہ نگاری کا ایک بڑا حصہ ادبی، سیاسی شخصیات کے احوال وواقعات پر مشتمل ہے۔ احمد عقیل رُوبی کے شخصی خاکوں کا مجموعوں میں ماضی کی خوشگوار یادیں اور مختلف شخصیات کے حوالے سے اُن کے مشاہدات وتاثرات تحریری صورت میں یکجا نظر آتے ہیں۔ ان شخصیات میں اکثریت ادبی، سیاسی اور فلمی صنعت سے تعلق رکھنے والے حضرات کی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ رُوبی صاحب خود بھی فلمی صنعت سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ ان کا زیادہ تر واسطہ بھی ایسے افراد سے رہا ہے۔ کھرے کھوٹے خاکوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو ادب کے ہر طالب علم کے لیے معلومات کا پیش بہا ذخیرہ فراہم کرتا ہے۔

اُن کے "کھرے کھوٹے" کا پہلا خاکہ "احمد عقیل رُوبی" نے اپنے بارے میں تحریر کیا۔ بقول احمد عقیل رُوبی:

انہوں نے جب عملی زندگی میں قدم رکھا تو انہیں محسوس ہونے لگا کوئی ان کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

"میں بولتا تو میرے لفظ کاٹتا۔ میں سوچتا تو وہ اپنی فکر میری فکر میں انڈیل دیتا۔ اس نے میری آواز بدل دی، سوچنے کا انداز مجھ پر غالب آ گیا۔ جینے کے راستے بدل دیے اور ایک دن آیا۔ اس نے میرا نام بھی بدل دیا۔ بلکہ یوں کہے کہ مجھے پس منظر میں دھکیل کر خود آگے آ گیا۔ میرے اس دشمن اور قاتل کا نام احمد عقیل ادبی ہے"۔ (3)

اس خاکے میں احمد عقیل رُوبی نے سچائی اور بے باکی کے ساتھ احمد غلام حسین سوز سے احمد عقیل رُوبی تک کے سفر کو بیان کیا۔ احمد عقیل رُوبی ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ وہ اپنے زندگی کے تمام گوشوں کو ایک لمحے میں قاری پر ظاہر نہیں کرتے بلکہ قاری کو اپنا شریک سفر بنا کر آہستہ آہستہ مختلف واقعات کی پردہ کشائی کرتا۔ یہ خاکہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے باعث پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ خاکہ نگار نے بڑی دلیری کے ساتھ ماضی کے واقعات کو بیان کیا۔ غلام حسین سوز کے مطابق احمد عقیل رُوبی اتنا پڑھا لکھا نہیں جتنا وہ صاحب علم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یوناں یوناں کی رٹ لگا کر دوستوں کے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ کسی قسم کی بحث چل رہی ہو۔ درمیان میں یونان کو لے آئے گا۔ احمد عقیل رُوبی کو خود بھی اس بات کا احساس تھا۔ ہومر، اسکائی لس، سقراط، افلاطون اور ارسطو کا یوں ذکر کرتا ہے۔ جیسے وہ اس کے ہم عمر ہوں۔ دراصل گفتگو میں ادیبوں، شاعروں، نقادوں اور فلاسفروں کا نام لینا ایک فیشن بن گیا ہے۔ احمد عقیل رُوبی اس فن کا ماہر ہے۔ بات مغرب کی ہوتی اور تذکرہ مشرق کا اُن کی یہ عادت تھی کہ مغرب کی بات میں مشرق کی گرہ ضرور لگاتے۔ یونان کے مسلسل ذکر سے تنگ آ کر دلدار پرویز بھٹی نے آپ سے کہا تھا:

"رُوبی صاحب یونان کے علاوہ اس دنیا میں اور بھی کئی ملک ہیں۔ مگر یہ بڑا ڈھیٹ ہے اس سے کہنا لگا"۔ "یونان سے باہر نکلوں گا تو انہیں بھی دیکھ یوں گا۔ (4)

"احسان دانش" یہ خاکہ احمد عقیل رُوبی کا ایک شاہکار خاکہ ہے۔ احسان دانش صاحب سے احمد عقیل رُوبی کا دوستانہ قریبی تعلق رہا ہے۔ احمد عقیل رُوبی احسان صاحب کی بو قلمون شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے احسان دانش کی دلکش شخصیت اور ان میں موجود صفات کا ذکر بڑی شگفتگی اور والہانہ انداز سے کیا ہے۔ احسان دانش صاحب شاعر ہونے کے ساتھ ایک باہمت انسان بھی ہیں۔ انہوں نے زندگی کی مشکلات کا مقابلہ جوان مردی صبر اور حوصلے سے کیا۔ زندگی کی کڑکتی دھوپ میں وہ ننگے پاؤں دوڑے، یخ بستہ ہواؤں کے تیر اپنے ننگے جسم

پر برداشت کیے۔ مگر عزم، ہمت، حوصلے اور استقلال سے پُر یہ انسان اپنی جگہ سے ہلا۔ آخر کار زندگی کو خود ہی ہار ماننی پڑی۔ احسان صاحب کے خیال میں زندگی اگر اس کو امتحان میں نہ ڈالتی تو وہ کب کا مر چکا ہوتا۔ کیونکہ پتھر تراش خراش کے بعد ہی قیمتی موتی بنتا ہے۔ خوبصورت انداز فکر اور سوچ کی رنگا رنگی نے اس خاکے میں جان ڈال دی ہے۔ احسان دانش کی قیام گاہ دانش کدہ کے بارے میں خاکہ نگار لکھتے ہیں:

"دانش کدہ انسانوں کا ایک اصطبل تھا۔ جہاں زندگی کے ناہموار راستے پر ٹھوکریں کھاتے تھکے ہارے انسان آتے تھے۔ تفکرات اور پریشانیوں کی گرد جھاڑتے اپنے بدن پر تسلیوں اور حوصلوں کی کاٹھی ڈالتے اور تازہ دم ہو کر پھر راستوں کی گرد چھاٹنے نکل جاتے"۔ (5)

احمد عقیل رُوبی کا تعلق درس وتدریس کے ساتھ ساتھ فلمی دنیا سے بھی رہا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو قریب سے دیکھنے کے مواقع بھی زیادہ ملیں ہیں۔ آپ نے اپنے خاکوں کا موضوع بھی زیادہ تر انہی شخصیات کو بنایا۔ جن سے آپ کی گہری وابستگی رہی تھی۔ کامیاب خاکہ نگار کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ جس شخصیت پر قلم اٹھائے اس کے ظاہر و باطن، خلوت و جلوت سے بخوبی واقف ہو۔ ان میں ایک نام چودھری محمد اسلم عرف اچھا شوکر والا ہے۔ جو اپنی پنجابی سپر ہٹ فلم کی طرح پورے پاکستان میں مشہور تھا۔ جب عصر کی نماز کے بعد شاہ نور سٹوڈیو آتا تو سٹوڈیو کے دروازے سے جیسے ہی اس کی کار اندر داخل ہوتی تو بے روزگار، ایکسٹر، بوڑھے اداکار، اٹھ کر پہلوان کا استقبال کرتے۔ جب پہلوان گاڑی سے باہر نکلتا تو کئی لوگ اس کے گھٹنوں کو ہاتھ لگانے کے لئے آگے بڑھتے۔ وہ سب کے سلاموں کا جواب دیتا اور سب کے خالی ہاتھوں پر کچھ نہ کچھ رکھ لیتا۔ وہ ہر انسان کو اس کی ضرورت کے مطابق دیتا۔ کسی کو پیسے، کسی کو افیون، کسی کو چرس۔ بقول خالہ نگار ایک دن میں نے پوچھا یہ روپیوں کے ساتھ افیون اور چرس کیوں۔ یہ تو پی پی کر ختم ہو جائیں گے:

"پہلوان نے سگریٹ کا کش لیا اور چٹکی بجا کر راکھ جھاڑی اور جواب دیا۔

یہ سپلائی میں نے بند کر دی تو یہ پھر بھی مر جائیں گے۔ اگر یہ کھا پی کر مریں تو اچھا ہے"۔ (6)

خاکے میں کسی شخص کے محاسن و معائب دونوں کا بیان ضروری ہے یہ خاکہ اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ خاکے کے اختتام پر قاری کے دل میں محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ خاکہ نگار شخصیت کے جن جن پہلوؤں سے متاثر تھے۔ یہ اُن کی تحریر کی خوبی ہے کہ قاری بھی ان خوبیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خاکہ "انیس ناگی" اس خاکے میں احمد عقیل رُوبی نے انیس ناگی کے پیکر میں ایک نکھری ہوئی شخصیت اور ایک پاکیزہ

کردار کو دیکھا۔ جو اپنے اصولوں کا پابند، اپنے فرائض کے انجام دینے میں چوکس، ماہر، سچا، ایماندار، مخلص اور ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہونے والا انسان ہے۔ محنت و مشقت کی عادت، سیرت و شخصیت اور مزاج بحیثیت انسان اعلیٰ ترین مقام و رتبہ کے حامل یہ تمام نکات اس مفصل خاکہ کا موضوع بنے ہیں۔ احمد عقیل رُوبی اور انیس ناگی کو اکھٹے کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اس لئے اس خاکے میں انیس ناگی کے گفتار، کردار، ذہانت و علمیت، طبعیت و مزاج کی نفاست، لطافت اور فنی عظمت و کمال کی بڑی حد تک عکاسی ہو جاتی ہے۔ زیر نظر اقتباس ملاحظہ ہو:

"وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ٹی ہاؤس میں داخل ہوتا ہے۔ اپنی پسند کے دو ایک آدمیوں سے ہاتھ ملا کر خیریت پوچھتا ہے۔ اور پھر کسی خالی میز کے پاس رکھی کرسی پر جابیٹھتا ہے۔ پہلے سے بیٹھے لوگوں کے ہجوم میں جاکر شامل ہونا انیس ناگی کو بالکل پسند نہیں۔ وہ اپنا حلقہ آپ بناتا ہے۔ چاہیے وہ اس کا اکیلا ہی ممبر کیوں نہ ہو۔ اس کا خیال ہے کہ ایک میز کے گرد بیٹھے بہت سے لوگ صرف چائے چینی دودھ اور پانی کا ضیاع کرتے ہیں۔ کام نہیں کرتے۔ کام صرف اکیلا آدمی کر سکتا ہے"۔[(7)]

آغا طالش جیسے نام ہی ظاہر ہے کہ یہ خاکہ ایک معروف فلمی اداکار کا خاکہ ہے۔ اس خاکے میں احمد عقیل رُوبی نے بڑی مہارت کے ساتھ وہ حالات وواقعات بیان کیے ہیں کہ کس طرح کامیاب اداکار بننے کے لیے آغا طالش نے اداکاری کی منزلیں طے کیں۔ علی عباس آغا طالش کا تعلق لدھیانہ کی آغا فیملی سے ہے۔ باپ پولیس میں افسر تھے۔ بچپن لدھیانہ میں گزرا۔ ایئر فورس کی ملازمت اختیار کی۔ انسٹرکٹر سے لڑائی ہو گئی۔ ملازمت چھوڑ کر اداکار بننے بمبئی چلے گئے۔ کرشن چند کے پاس اس کی بالائی منزل میں رہنے لگے۔ جہاں پہلے سے اور بھی بے روزگار نوجوان موجود تھے۔ آغا طالش بھی ان کے ساتھ ان کے کمرے میں رہنے لگے۔ رہنے، کھانے اور گھومنے پھرنے کا سارا خرچہ کرشن چندر برداشت کرتا تھا۔ آغا طالش کی شخصیت پر کرشن چند کا کافی حد تک اثر ہے۔ کرشن چند نے فلم بنائی اور فلم "سرائے کے باہر" کا آغاز کیا۔ اس فلم کی بنانے میں آغا طالش ان کے اسسٹنٹ تھے اور پروڈکشن منیجر بھی۔ طفیل فاروقی اس فلم کے میوزک ڈائریکٹر تھے آغا طالش ان کے بھی اسسٹنٹ تھے۔ اس خاکے میں تقسیم ہند کے حالات وواقعات کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ احمد عقیل رُوبی کی یہ خصوصیت ہے وہ جس شخصیت پر بھی خاکہ لکھتے ہیں۔ ان کے عہد سے بھی پوری طرف باخبر ہوتے ہیں:

"گلی گلی انسانیت اور آدمیت کی دھجیاں اڑائی گئیں۔ بچوں، بوڑھوں، ماؤں بہنوں کو سر عام رسوا کر کے قتل کیا گیا۔ کاروبار ٹھپ ہو گیا۔ 1947ء کا واقعہ تاریخ انسانی کا ایک انوکھا واقعہ تھا۔ پل بھر

میں وہ لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ جو صدیوں سے دوستی کی مثال بنے ہوئے تھے۔"(8)

کامیاب خاکہ نگار کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ جس شخصیت پر خاکہ لکھے ایک تو اس کے ساتھ گہرے مراسم ہوں دوسرا وہ اس کے ظاہر و باطن سے بھی واقف ہو تا کہ سچی اور حقیقی تصویر قاری کے ذہن پر نمایاں ہو۔ احمد عقیل نے اپنے خاکوں میں شخصیت کی خوبیوں اور خامیوں کو یکساں طور پر بیان کیا۔ جہاں وہ اچھائیوں کا پہلو بیان کرتے ہیں۔ وہیں کمزوریوں کو بھی بیان کرتے ہیں لیکن وہ کمزوری کمزوری نہیں رہتی۔ بلکہ شخصیت کی انفرادیت بن جاتی ہے۔ کیونکہ خاکے کا مقصد بھی افکار کردار کی مدد سے بحیثیت انسان اس کی انفرادیت کو نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ جیسے خالد احمد کے خاکے میں انہوں نے بیان کیا۔ خالد احمد نے نعتیہ قصدوں کا مجموعہ "تشیب" تحریر کیا۔ معصوم اور شبنم کی طرح شفاف دل رکھتا ہو لیکن شیر کے شرارتی بچے کی طرح بہت زیادہ خوش ہو تو جو سامنے آئے طنز کے نوکیلے اور تیز ناخنوں والا پنجہ مار دیتا ہے لیکن بعد میں روتا رہتا ہے۔ اپنے ہی پنجے سے اپنا چہرہ ہولہان کر لیتا ہے قتیل شفائی کو جب تمغہ حسن کارکردگی ملا تو بہت خوش ہوا اور اس پر کالم لکھ لیا۔ یہ کالم اس نے شیر کے شرارتی بچے سے تحریر کیا۔ قتیل صاحب نے جب پڑھا تو اس کو بہت سخت افسوس ہوا۔ خالد سے خفا ہو گئے۔ بعد میں خالد کو افسوس ہوا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ وہ اپنے دل میں ایک بوجھ لے کر پھرتا رہا، مگر کسی سے کچھ نہ کہا۔ آخر ایک دن اس نے یہ بوجھ دل سے اتار کر پھینک دیا۔ ہوا کچھ یوں کہ شوکت ہاشمی نے ساہیوال میں ایک نعتیہ مشاعرہ کروایا۔ اس مشاعرے میں قتیل شفائی اور خالد احمد دونوں مدعو تھے۔ خالد کی جب باری آئی تو وہ سٹیج پر آیا اور یوں مخاطب ہوا:

"خواتین و حضرات پچھلے دنوں جنگ میں نے ایک کالم لکھا قتیل شفائی مجھ سے ناراض ہو گئے میں سب کے سامنے ان سے معافی مانگتا ہوں۔ وہ معافی دیں گے تو میں نعت پڑھوں گا۔"(9)

ان لفظوں میں بڑی محبت اور اپنائیت تھی۔ قتیل شفائی، خالد احمد کا چہرہ دیکھا۔ انہیں اس کا چہرہ اس معصوم بچے کی طرح لگا جو غلطی سے سفید کاغذ پر سیاہی کی دوات انڈیل دے اور پھر چپ چاپ کھڑا اپنی اس حرکت پر نادم ہو جائے۔ قتیل شفائی نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے معاف کیا۔"(10)

خالد احمد کے دل پر رکھا ندامت کا بوجھ ہلکا ہو گیا اور اس نے بڑی عقیدت سے نعت پڑھنا شروع کر دی۔

خاکہ "دلیپ کمار" ایک فنکار کا خاکہ ہے۔ جو مقبول عام شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ محبت و مروت والے آدمی ہیں۔ اس لئے سب ان سے محبت کرتے اور ان کی عزت کرتے۔ احمد عقیل رُوبی ان کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ اس لیے گفتگو میں احتیاط اور محبت کے ساتھ ساتھ عزت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ دلیپ کمار پاکستان آئے تو ہم سب علی بھائی کے گھر مدعو تھے۔ اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"میں اور یوسف بھائی ایک صوفے پر تھے۔ کرنل مرحوم شاہ (مرحوم) شہزادہ منوں عالم اور علی بھائی سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ یوسف بھائی کے ہاتھ میں میرا ہاتھ تھا۔ دائیں ہاتھ سے میرا سر ہلاتے ہوئے بولے۔

چپ کیوں ہو۔ کوئی بات کرو۔

میں نے جواب دیا:

1952ء سے صحرا کی گرد چھان کر پانی کے چشمے تک پہنچا ہوں" بات کروں یا پیاس بجھاؤں"

یوسف بھائی مسکرائے اور کہنے لگے۔

تم تو چشمے تک پہنچ گئے ہو۔ میں تو ابھی تک راستے ہی میں بھٹک رہا ہوں۔

دلیپ کمار یوسف خان کو ڈھونڈ رہا ہے۔ نہ جانے کہاں جا کر گم ہو گیا ہے۔ نقل کا سایہ اصل سے کہیں زیادہ پھیل گیا ہے۔ دلیپ کی شہرت کی دھند اتنی گہری ہے کہ یوسف خان ہاتھ ہی نہیں آ رہا پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔"(11)

دلدار پرویز بھٹی پر لکھا گیا خاکہ ایک ایسی شخصت کا خاکہ جن میں انسانیت، ہمدردی، محبت، شفقت اور شرافت و مروت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ ہر وقت لوگوں کی خدمت کے لیے کرنے کے لیے تیار رہتے۔ چاہیے اس میں ان کو کوئی اذیت ہی کیوں نہ پہنچے۔ انسان دوستی کے ناطے سارے جہاں کا درد اُن کے جگر میں تھا۔

دلدار پرویز بھٹی سے خاکہ نگار کا تعلق بہت پرانا نہیں تھا لیکن ان کے ساتھ قلبی اور فکری رشتے بہت گہرے تھے۔ خاکہ نگار ان سے جب بھی ملا اس کو یہی محسوس ہوا جیسے وہ ایک ایسے آدمی سے مل رہا ہے۔ جس نے اپنی ذات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ دوسروں کی مدد کے لیے نکلا کھڑا ہوا ہے۔ اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"دلدار پرویز بھٹی ایک ایسا درخت تھا جس کی چھاؤں میں بیٹھ کر ہزاروں لوگوں نے اپنی تھکن اتاری۔ مگر وہ خود ساری زندگی سورج کی تیز شعاعوں میں اپنے جسم کو جلاتا رہا۔"(12)

خاکہ نگار زندگی کے مختلف پہلوؤں پر گہری نظر رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیر مطالعہ خاکہ کسی بھی شخصیت سے متعلق ہو۔ اس میں کسی نہ کسی حوالے سے اہم معلومات ضرور ملی جاتی ہیں۔ خاکہ "سلطان راہی" میں قاری کو بے شمار دلچسپ واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں۔ احمد عقیل رُوبی کی قوت مشاہدہ بہت تیز ہے۔ لہٰذا وہ انسان کے اندر چھپے ہوئے انسان کو پہچان لیتے ہیں۔ سلطان راہی فلموں میں چور، ڈاکو اور بد معاش کے طور پر سامنے آتا ہے۔ لیکن حقیقی زندگی میں وہ پانچ وقت کا نمازی اور تہجد گزار ہے۔ احمد عقیل رُوبی اس خاکے میں رقمطراز ہیں:

"فلموں میں بد معاش، ڈاکو، اکھڑ، وحشی جٹ اور مفرور قیدی کا کردار کرنے والا سلطان راہی ایک نہایت نرم دل اور شریف آدمی ہے۔ فلموں میں ایک چھری سے دس دس آدمی ڈھیر کرنے والا سلطان راہی عملی زندگی میں ایک بہت ڈرپوک آدمی ہے۔"(13)

احمد عقیل رُوبی سلطان راہی کے مذہبی رجحان سے بہت متاثر تھے۔ اُن کے نزدیک ایک سچے اور کامل مسلمان کا جو شعور تھا۔ اُنہوں نے اُن کی ذات میں محسوس کیا۔ سلطان راہی پانچ وقت کا نمازی ہے۔ بہت اچھا قاری ہے۔ قرآن اور حدیث پر اس کی گہری نظر ہے۔ سٹوڈیو میں اپنے پیسوں سے ایک مسجد بنوائی ہے۔ اس کے علاوہ اپنے گھر میں بھی مسجد بنوائی ہے۔ سلطان راہی کی ذات باطنی خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ جن سے ایسی روشنیاں نکلتی ہیں۔ جو اس کے ظاہری چہرے کو روشن منوا کر دیتی ہیں۔ ایک دن احمد عقیل رُوبی اداکار محمد علی کے گھر گیا تو وہ کسی گہری سوچ میں تھے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ یار رُوبی سلطان راہی حقیقی زندگی میں بالکل فلمی دنیا کا بندہ نہیں لگتا۔

انہوں نے بتایا کہ: ایک بار ہم سوات فلم کی شوٹنگ کے لیے گئے ہوئے تھے۔ شدید برف باری ہو رہی تھی۔ رات تین بجے میری آنکھ کھلی تو میں نے کچھ بے چینی محسوس کی۔ کھڑکی کا پردہ ہٹا دیا۔ جو منظر مجھے نظر آیا میں حیران رہ گیا۔

"باہر گراونڈ میں برفباری ہو رہی تھی اور سلطان راہی ہر چیز سے بے خبر اس برف باری میں تہجد پڑھ رہا تھا۔"(14)

"شجاعت ہاشمی" پر تحریر کیا گیا خاکہ ایک سرسری نوعیت کا ہے۔ جس سے چند صفات پر روشنی پڑتی ہے۔ پوری شخصیت ابھر کر سامنے نہیں آتی۔ شجاعت ہاشمی کی شخصیت میں خودداری اور انانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "شجاعت ہاشمی اپنے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ نرگسیت کا بری طرح شکار ہے۔ تفاخر اور انا کے اس بلند پہاڑ پر بیٹھ کر لوگوں سے خطاب کرتا ہے۔ جہاں سے وادی میں کھڑے سامعین چھوٹے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ اگر ہمت کر کے کوئی اسے ٹوک دے تو فوراً سے کہتا ہے۔ "صاحبزادے میں آپ سے نہیں۔ پڑھے لکھے لوگوں سے مخاطب ہوں" باقی لوگ اس لئے چپ رہتے ہیں کہ انہیں پڑھے لکھے ہونے کی سند مل جاتی ہے۔"(15)

"عطاء الحق قاسمی" ایک ایسے ادیب کا خاکہ ہے جو نہ کسی کے آگے جھکا نہ خوفزدہ ہوا۔ بغیر کسی ڈر و خوف کے جو دل میں ہے وہ اس کو زبان پر لے آیا۔ یہ سرسری نوعیت کا خاکہ ہے۔ عقیل رُوبی نے آپ کی شخصیت کے کچھ پہلوؤں سے متاثر ہو کر یہ خاکہ تحریر کیا۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

> "عطاء الحق قاسمی ایک نظریاتی آدمی ہے۔ اپنی کمٹ منٹ سے اس کی وفاداری مثالی ہے۔ بائیں طرف صرف گاڑی چلاتا ہے۔ فکری طور پر دائیں گروپ کا آدمی ہے۔ لیکن اپنی فکری کمٹ منٹ سے رشتوں اور رویوں کی زمین میں نفرت کی فصلیں کاشت نہیں کرتا۔ بائیں گروپ سے اس کی دوستیاں اور لین دین معمول کے مطابق ہے۔ سب کچھ ہوتا ہے۔ سب کچھ چلتا ہے۔ مگر جب اس کے نظریاتی علاقے پر کوئی حملہ آور ہو تو وہ اپنے دفاع میں سینہ سپر ہو جاتا ہے۔"(16)

"فردوس جمال" جو ایک عظیم فنکار ہونے کے ساتھ ساتھ مقبول عام شخصیت ہیں۔ احمد عقیل رُوبی سے ان کا تعلق دوستی کا ہے لیکن خاکہ نگار نے آپ کی فنکارانہ صلاحیتوں سے متاثر ہو کر یہ خاکہ تحریر کیا حکومت نے بھی ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا ہے۔ فردوس جمال اچھا فنکار ہونے کے ساتھ نرگسیت میں بری طرح مبتلا ہے۔ اس کی یہ خواہش ہے کہ سب اس سے پیار کریں لیکن وہ کسی سے نہ کرے۔ جس سے وہ محبت کرتے وہ کسی اور کو نہ چاہے۔ اس کے لیے وہ مرنے اور مارنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ کریں:

"جس شاخ پر خود بیٹھے دوسرے کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ دوستوں کا انتخاب بہت احتیاط سے کرتا ہے۔ دشمنوں کا وار سینہ تان کر روکتا ہے۔ دوستوں کے لیے ہر وقت جان کی بازی لگانے کو تیار رہتا ہے۔ پٹھان ہے۔ پٹھانوں کی نسل کے بارے میں کوئی بات سننا پسند نہیں کرتا۔"(17)

خاکہ نگار نے اپنے خاکوں میں ایسی شخصیات کو موضوع خاکہ بنایا ہے۔ جو اسی عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔ لہٰذا ان کو نزدیک سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔ ان شخصیات کے ساتھ ساتھ اس وقت کے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ادبی صورتحال کی جھلک بھی ملتی ہے۔ احمد عقیل رُوبی شخصیت کے کسی نہ کسی پہلو سے متاثر ہو کر لکھتا ہے۔ اس طرح قاری کو شخصیت سے اُنسیت کے ساتھ ساتھ محبت بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔ قتیل شفائی کے خاکے میں اُن کے گفتار، کردار، ذہانت و علمیت، طبعیت و مزاج کی نفاست و لطافت اور فنی عظمت و کمال کی بڑی حد تک عکاسی ہو جاتی ہے۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"قتیل شفائی ایک محبت کا بھوکا انسان ہے۔ ہر آدمی سے پیار کرتا ہے۔ لیکن اگر سامنے والے کے پیار میں کھوٹ اور اعتماد میں کمی ہو تو اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ محبت کے سلسلے میں اس کا عقیدہ وہی ہے۔ جو کیوپڈ کا تھا۔

"Where there is no confidence. There can be no love."(18)

احمد عقیل رُوبی قتیل شفائی کی فنی عظمت و کمال سے بڑی حد تک متاثر تھے۔ اس لیے آپ نے مختصر خاکے کے ساتھ ساتھ سوانحی عمری قتیل کہانی بھی لکھ کر ان کو خراج تحسین پیش کیا۔

"محسن نقوی" یہ خاکہ ایسی شخصیت پر تحریر کیا گیا ہے۔ جس نے مسلسل محنت و مشقت کر کے فن کی بلندیوں تک رسائی حاصل کی۔ احمد عقیل رُوبی کی خاکہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ وہ شخصیت کے ان چھپوں ہوئے پہلوؤں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ جن سے قاری ناواقف ہوتا ہے۔

"یہ کھلنڈرا آدمی حسن کی وادی کا وہ بنجارہ ہے۔ جو گھر گھر دستک دے کر سندر سپنوں کے پھول بانٹتا ہے۔ ہنستی آنکھوں سے کاجل اور خاموش ہونٹوں سے شفق چرا کر اپنے ذہن کی دیواروں کو آراستہ کرتا ہے۔ پھر ان سب کو تجربے کی بھٹی میں فکر اور اسلوب کی حرارت دے کر کاغذ پر لے آتا ہے۔"(19)

مہدی حسن پر خاکہ تحریر کر کے خاکہ نگار نے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ اسے فن سے دلچسپی ہے۔ وہ فن اور فنکار دونوں کے قدر دان ہیں۔ اس خاکے سے فنکار کی محنت، لگن اور مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن اس فن میں مہارت حاصل کرنے کے لیے عمر کا ایک حصہ چاہیے۔ دن رات کی محنت کے بعد ہی کوئی فنکار استاد کے درجے پر پہنچتا ہے اور اس خاکے میں خاکہ نگار نے مہدی حسن کی عظمت کا ذکر کیا ہے کہ گائیگی میں اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ رتبہ عطا کیا ہے کہ انسان تو انسان جن بھی ان کی آواز پر فریفتہ تھے۔ زیر نظر اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے آدمیوں سے پوچھا۔

"جی بھائی صاحب کون ہیں آپ"

"مہدی حسن ہم جنات ہیں بچھم سے آئے ہیں"

مگر بھائی میرے پاس کیوں آئے ہو۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ میں ڈرا نہیں کیونکہ جن، بھوت، پریت، فنکاروں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ میری بات سن کر بڑا جن بولا۔

"میر تقی میر کی غزل سننے آئے ہیں"

انکار نہ کرنا۔ بڑا فاصلہ لے کے آئے ہیں"۔ دوسرا جن بولا۔

میں نے چند لمحے سوچا سر منڈل کھولا، چادر بچھائی اور اس پر بیٹھ کر سر منڈل پر ہاتھ پھیرا۔ سر منڈل کی آواز چاروں طرف پھیل گئی۔ میں نے آنکھیں بند کر کے "دھواں کہاں سے اٹھتا ہے"۔ شروع کی گردو پیش سے لاتعلق ہو کر ڈوب کر غزل گائی۔ غزل ختم کر کے آنکھیں کھولیں تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ بس سامنے جنگلی پھولوں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔"(20)

علم موسیقی کے بے تاج بادشاہ نصرت فتح علی خان کے خاکے میں احمد عقیل روبی نے جس چابکدستی، فہم ادراک سے ان کی شخصیت کے مختلف نازک پہلوؤں کو پیش کیا ہے۔ وہ ان کا تخلیقی کارنامہ ہے۔ خاکہ نگار نے نصرت کی شخصیت کے ساتھ ساتھ فنی ورثہ اور روحانی میلانات کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح ایک عظیم فنکار اپنے سامعین کو دیدہ سے نادیدہ کے سفر پر گامزن کرتا ہے۔ آپ نے یہ خاکہ ان کے فن اور شخصیت سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔ کوئی بھی شخص اس وقت تک کسی بھی فن کی باریکیوں کو بیان نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ خود اس سے بخوبی آگاہ نہ ہو۔ چونکہ احمد عقیل رُوبی ایک کامیاب گیت نگار بھی ہیں۔ لہٰذا علم موسیقی کا ادراک اس خاکے کا سبب

بنا۔ بے شک احمد عقیل رُوبی نے بہترین خاکہ نگار کا ثبوت دیتے ہوئے نصرت کی بکھری ہوئی شخصیت کو یک جا کر کے یہ شاہکار تخلیق کیا۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"نصرت کو ساری زندگی ایک ہی شوق رہا ہے۔ اور وہ موسیقی ہے۔ اپنی زندگی کے کئی سال اس نے ریاض میں صرف کئے ہیں۔ کمرے میں دن رات ریاض کرتے تھے۔ نہ جانے کتنے سورج اور کتنے چاند نصرت کی صورت دیکھے بغیر ڈھل گئے۔ مگر یہ موسیقی کے دریا میں غوطہ زن رہا۔ کمرے سے باہر نہ نکلا۔ جب نکلا تو ایسی چمک لیکر کہ دنیا کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔"(21)

احمد عقیل رُوبی ممتاز مفتی کی روحانیت سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے بہت محبت سے ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو علی پور کا مفتی میں بیان ہے۔ اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"ممتاز مفتی نے کئی حالتیں بدلیں مگر اب وہ ریشم کا کیڑا بن کر چاروں طرف ریشم کا ڈھیر لگا رہا ہے۔ رنگ دار، اودا، اودا، سرخ ریشم جس کے باریک ریشوں میں باتوں کی خوشبو اور مہک لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔"(22)

اس مقالے میں احمد عقیل رُوبی کے خاکوں کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ ان کے خاکوں کی جو نمایاں خصوصیات سامنے آئیں ہیں۔ وہ یہ کہ ان کے خاکوں کا معیار، زندگی کی رفعت اور کردار کی بلندی ہے۔ انہوں نے اپنے خاکوں میں اخلاقی، سماجی اور معاشی رویوں کی سچی عکاسی کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ زندگی کے مختلف واقعات کا علمی بصیرت سے انتخاب کر کے پوری مہارت سے ان کی ترتیب قائم کی ہے یوں ایک زندہ شخصیت قاری کے سامنے آئی ہے جس سے تفہیم کے نت نئے در وا ہوئے ہیں۔

حوالہ جات

1. ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، "کشاف تنقیدی اصطلاحات" مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1995ء، ص72
2. احمد عقیل روبی "کھرے کھوٹے" الحمد پبلشر، لاہور، اشاعت دوم، 2009ء، ص9
3. ایضاً ص13
4. ایضاً ص17

5. ایضاً ص19
6. ایضاً، ص55
7. ایضاً، ص65
8. ایضاً، ص94
9. ایضاً، ص140
10. ایضاً، ص140
11. ایضاً، ص147
12. ایضاً، ص156
13. ایضاً، ص193
14. ایضاً، ص202
15. ایضاً، ص204
16. ایضاً، ص209
17. ایضاً، ص287
18. ایضاً، ص298
19. ایضاً، ص302
20. ایضاً، ص308
21. احمد عقیل رُوبی، نصرت فتح علی خان، لاہور words of wisdom، اگست 1992، اشاعت اول، ص94
22. احمد عقیل روبی علی پور کا مفتی الحمد اول اکتوبر 1992، دسمبر 2006ء، ص16